حدیث اور قرآن

منکرین حدیث کے مسلک پر ایک ناقدانہ نظر

ہمارے پاس رسالہ "بلاغ" امرتسر کے دفتر سے ایک رسالہ بغرض تبصرہ آیا ہے جس کا عنوان ہے "میں منکر حدیث کیوں ہوا" مصنف کوئی صاحب ہیں جنہوں نے اپنے لئے "حق گو" کا لقب اختیار فرمایا ہے۔ انہی "حق گو" صاحب کا ایک مفصل مضمون "مطالعہ حدیث" کے عنوان سے "نگار" اور "بلاغ" کے صفحات میں باقساط شائع ہوتا رہا ہے جس کے بعض حصے ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ دلائل قریب قریب وہی ہیں جو عموماً منکرین حدیث کی جانب سے پیش کئے جاتے ہیں، اور ان سب کا مآل یہ ہے کہ ہمارے لئے صرف قرآن کافی ہے، حدیث کی روایات ناقابل اعتبار ہیں، اور ان پر مذہب کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے۔ حق گو صاحب اور ان کے ہم خیال منکرین حدیث کی رائے میں حدیث نے اسلام کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، بلکہ اس کے برعکس اسی چیز نے دشمنان اسلام کو وہ اسلحہ فراہم کئے ہیں جن سے وہ اسلام پر حملے کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی خواہش ہے کہ اسلام سے حدیث کو بالکل خارج کر دیا جائے اور اس کو وہ اسلام کی ایک بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

حق گو صاحب نے اپنی تائید میں حدیث کی کتابوں سے بہت سی شہادتیں پیش کی ہیں جن سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث سے کس طرح دشمنوں کو اسلام اور رسول اکرمؐ کی رسالت پر حملہ کرنے کے لئے مواد حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً بعض احادیث تحریف قرآن کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ بعض اس الزام کی تائید کرتی ہیں کہ وحی کا نزول ایک ڈھونگ تھا، رسول اللہؐ جو کچھ اہل کتاب سے

سنتے تھے اسی کو وحی بنا کر پیش کر دیتے تھے (معاذ اللہ) بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کا نزول رسول اللہ کی خواہشات نفسانی کے مطابق ہوتا تھا۔ بعض اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ رسول اللہ مسحور کئے جاتے تھے۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ اپنے مخالفین کو خفیہ طریقوں سے قتل کرا دیتے تھے (کعب بن اشرف کا واقعہ)۔ بعض سے رسولؐ اللہ پر ظلم اور بے رحمی کا الزام عائد ہوتا ہے (عکل اور عرینہ والوں کا قتل)، بعض سے رسولؐ اللہ پر نفس پرستی کا الزام نکلتا ہے۔ اسی سلسلہ میں مصنف نے رسول اکرم پر شادیاں ایک بھی مأخذ کیا ہے اور ان سب روایات کو ناقابل تسلیم ٹھیرا دیا ہے جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے نو سال کی عمر میں شادی ہونا ثابت کرتی ہیں۔ اس کے بعد مصنف علم حدیث پر عام اعتراضات کرتا ہے۔ اس کے خیال میں حدیث کی اشاعت عہد خلفائے راشدین میں ممنوع تھی بنوامیہ اور آل عباس کے زمانے میں روایت کا سلسلہ شروع ہوا، اور بادشاہوں کی سیاسی اغراض کے لئے حدیثیں وضع کی گئیں۔ امام حسن بصری امام زہری، امام مالک، صحاح ستہ کے مصنفین اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے حدیث کی کتابیں مدون کی ہیں سب کے سب مصنف کے زعم میں وضاع حدیث تھے، اور ان لوگوں نے بے سروپا روایتیں جمع کر کے اسلام کو مسخ کر دیا۔ سیاسی اغراض کے علاوہ حدیث میں یہودیت، مسیحیت مجوسیت اور دوسرے مذاہب کے عقائد اور خرافات بھی داخل ہوگئے، پانچ وقت کی نمازیں، دن کے روزے، صراط اور میزان کا تخیل، احکام ذبیحہ، کھانے پینے کی چیزوں میں مذہب کا دخل، ختنہ، قربانی، احکام طہارت، تصاویر و تماثیل کی حرمت، معراج کے قصے اور ایسی ہی بہت سی چیزیں مصنف کے نزدیک محدثین نے دوسرے مذاہب سے لیں اور رسول اللہ کی طرف منسوب کرکے اسلام میں داخل کر دیں۔

ائمہ فقہ بھی مصنف کے نزدیک قابل طعن ہیں، کیونکہ انہوں نے شریعت کا تخیل یہودیوں سے لے کے اسلام کے سر چپک دیا، زندگی کے تمام معاملات پر مذہب کو حاوی کر دیا، جو قوانین عراق کی آب وہوا اور پہلی دوسری صدی کے حالات کی بنا پر وضع کئے گئے تھے، رسولؐ اللہ کی طرف منسوب کرکے

مذہبی قوانین بنا دیے گئے اور اس طرح مذہب اسلام "قومی شریعت" کا پابند ہو کر اس قابل نہ رہا کہ دنیا میں اس کی اشاعت ہوتی، اور دوسری قومیں اس کا اتباع کر سکتیں، مصنف کے نزدیک سینٹ پال اور اس کے متبعین کا یہ خیال درست تھا کہ مذہب (یعنی ایمانیات) کو شریعت سے الگ کر دیا جائے، اور یہی چیز دنیا میں مسیحیت کی اشاعت کا سبب ہوئی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی مصنف کے خیال میں اس لئے ہوئی کہ شریعت کی بیڑیوں کو کاٹ دیں، اور زندگی کے معاملات کو بند کی پابندیوں سے آزاد کر دیں دلیل میں یہ آیت پیش کی گئی ہے کہ یَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ اس آیت میں اغلال سے مراد مصنف کے نزدیک "اغلال شریعت" ہیں مگر ائمۂ فقہ اور ائمۂ حدیث نے رسول اللہ کے خلاف بغاوت کر کے پھر انہی اغلال شریعت کو مسلمانوں پر ڈال دیا جنہیں کاٹنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے تھے، اور یہود کی تقلید میں روایت حدیث، اور "شریعت سازی" شروع کر دی۔ یہ سب کچھ مصنف کی رائے میں اس لئے کیا گیا کہ یہود کے فریسیوں کی طرح مسلمانوں پر اپنی گرفت قائم کی جائے اور اس کے لئے رسول اللہ کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا۔

پھر لطف یہ ہے کہ مصنف اپنے ان تمام نظریات کی بنا تاریخی استدلال پر رکھتا ہے۔ حالانکہ اگر حدیث کی روایات قابل اعتبار نہیں ہیں، تو تاریخ ان سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار ہے۔ حدیث میں تو ہمارے زمانہ سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا ائمہ تک اسناد کا پورا سلسلہ موجود ہے خواہ وہ آپ کے نزدیک مشکوک ہی کیوں نہ ہو لیکن تاریخ کے پاس تو کوئی سند ہی نہیں ہے۔ جن قدیم کتابوں کو آپ تاریخ کا سب سے زیادہ معتبر ذخیرہ سمجھتے ہیں ان کے متعلق آپ کے پاس کوئی ایسا ثبوت موجود نہیں ہے کہ جن مصنفین کی طرف وہ منسوب ہیں وہ انہیں کی لکھی ہوئی ہیں اسی طرح جو حالات ان کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان کے لئے بھی آپ کوئی ایسی سند نہیں رکھتے جس کی بنا پر ان کی صحت کا یقین کیا جا سکے

اگر حدیث کی مسلسل اور مستند روایات کی تکذیب اس آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے تو تاریخ کے پورے ذخیرے کو اس سے بھی زیادہ آسانی کے ساتھ رد کر دیا جا سکتا ہے۔ ایک شخص بے تکلف کہہ سکتا ہے کہ عباسیوں کا وجود دنیا میں کہیں نہ تھا، اموی کسی سلطنت کے بانی نہ تھے، سکندر کا وجود محض ایک افسانہ ہے غرض تاریخ کے ہر واقعہ کو اس دلیل سے بدرجہا زیادہ قوی دلیل کی بنا پر جھٹلایا جا سکتا ہے جس کی بنا پر آپ حدیث کو جھٹلاتے ہیں، کیونکہ دنیا میں زمانہ گذشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں ہے، جتنا حدیث کا ذخیرہ ہے، اور جب وہ بھی ناقابل اعتبار ہے، تو قدیم زمانہ کے متعلق جتنی روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ سب دریا برد کر دینے کے قابل ہیں۔ تعجب ہے کہ جو شخص حدیث کی روایات سے انکار کرتا ہو، اور جس کے نزدیک یہ ممکن ہو کہ رسول اللہ سے قریب تر زمانہ میں، ایسے ایسے نامور مسلمان جن سے زیادہ نمایاں ہستیاں مسلمانوں کی قوم سے پیش نہیں کی جا سکتیں، اسلام کا دعویٰ رکھنے کے باوجود رسول اللہ پر بہتان گھڑ سکتے تھے، اور اپنے دل سے حدیثیں وضع کر کے رسول اللہ کی طرف منسوب کر سکتے تھے، وہ تاریخ پر کیسے اعتماد کرتا ہے، اور کیوں نہیں کہتا کہ طبری، ابن اثیر، ابن خلدون اور تاریخ کی تمام کتابیں موضوع ہیں، افسانہ ہیں، اور گذشتہ زمانہ کا کوئی حال ہم تک صحت کے ساتھ نہیں پہنچا ہے۔ اس سے زیادہ ستم ظریفی یہ ہے کہ جو شخص بخاری و مسلم، ترمذی اور ابوداؤد حتیٰ کہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام حسن بصری تک کو ناقابل اعتماد سمجھتا ہے وہ فون کریمر سے استناد کرنے میں تامل نہیں کرتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بات کی پچ آدمی کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔

حق گو صاحب کا رسالہ اگر کوئی ناواقف مسلمان یا غیر مسلم پڑھے تو اس کے دل پر یہ بات نقش ہو جائے گی کہ رسول اللہ کی وفات پر پچاس برس بھی نہ گذرے تھے کہ مسلمانوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف عام بغاوت کر دی اور وہی لوگ اس بغاوت کے سرغنے بنے جو اسلام کی مذہبی تاریخ میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اور جنہیں مذہب اسلام کا ستون سمجھا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے

دل میں ایمان کا شائبہ تک نہ تھا کہ انہوں نے اپنی اغراض کے لئے حدیث، فقہ، سنت، اور شریعت کے شاندار الفاظ گھڑے، اور دنیا کو دہوکہ دینے کے لئے وہ باتیں رسول اللہ کی طرف منسوب کیں جو آنحضرت اور قرآن کی تعلیم کے بالکل خلاف تہیں۔ یہ اثر پڑنے کے بعد ہمیں امید نہیں کہ کوئی شخص اسلام کی صداقت کا قائل ہوگا۔ کیونکہ جس مذہب کے ائمہ اور ممتاز ترین داعیوں کا حال یہ ہو اس کے پیرؤوں میں صرف حق گو صاحب اور ان کے ہم خیال گنتی کے چند آدمیوں کو دیکھ کر کون عقلمند یہ باور کرے گا کہ ایسا مذہب بھی کوئی سچا مذہب ہو سکتا ہے یہی نہیں بلکہ اس قسم کے اعتراضات کو دیکھ کر ایک شخص اس امر میں بھی شک کر سکتا ہے کہ آیا اسلام اپنی اصلی شکل میں اس وقت موجود ہے بھی یا نہیں۔ کیونکہ جب مسلمانوں کے اسلاف میں پہلی صدی سے لیکر اب تک کوئی گروہ بھی ایسا موجود نہیں رہا ہے جو اپنے پیغمبر کے حالات، اقوال اور تعلیمات کو ٹھیک ٹھیک محفوظ رکھتا، اور جب اس قوم کے چھوٹے بڑے سب کے سب ایسے بددیانت تھے کہ جو کچھ جی میں آتا تھا گھڑ کر اپنے رسول کی طرف منسوب کر دیتے تھے، تو اسلام کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا یہ بھی یقین نہیں کیا جا سکتا کہ عرب میں فی الواقع کوئی پیغمبر مبعوث ہوا تھا کیا عجب کہ عوام پر گرفت قائم کرنے کے لئے رسول اور رسالت کا افسانہ گھڑ لیا گیا ہو۔ اسی طرح قرآن کے متعلق بھی شک کیا جا سکتا ہے کہ یہ فی الواقع کسی پیغمبر پر اترا تھا یا نہیں اور اگر اترا بھی تھا تو اپنی اصل عبارت میں محفوظ ہے یا نہیں، کیونکہ اس کے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ وہی لوگ تو ہیں جو یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کی باتیں لے کر پیغمبر کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذرا نہ شرماتے تھے، یا وہ لوگ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہوتا تھا اور وہ دم نہ مارتے تھے۔ "حق گو" صاحب اور ان کے ہم خیال منکرین حدیث نے یہ ایسا حربہ دشمنان اسلام کے ہاتھ میں دیدیا ہے، جو حدیث کے فراہم کئے ہوئے حربوں سے لاکھ درجہ زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے تو اسلام کی جڑ بنیاد ہی کھود کر پھینک دی جا سکتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ "حق گو" صاحب نے حدیث کی کتابوں پر صرف عیب چینی کی نگاہ ڈالی ہے اور ان کے بے شمار جواہر کی طرف سے آنکھیں بند کرکے صرف ان چیزوں کو تلاش کیا ہے، جو ان کے نزدیک حدیث پر طعن کرنے کے لئے مفید ہو سکتی تھیں۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسی عیب چینی کی نگاہ سے وہ قرآن کو دیکھتے تو یہ کتاب بھی ان کو سراسر عیوب سے لبریز نظر آتی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہزارہا کفار قرآن کو پڑھتے ہیں، اور بجائے ہدایت پانے کے اور زیادہ گمراہ ہو جاتے ہیں؟ یہی نا کہ وہ ہدایت کی طلب میں قرآن نہیں پڑھتے بلکہ عیوب تلاش کرنے اور اسلام کے خلاف اسلحہ فراہم کرنے کے لئے پڑھتے ہیں۔ اسی وجہ سے تو ان کو قرآن میں بجز عیوب کے اور کچھ نہیں ملتا، کیونکہ انسان ہر جگہ وہی پاتا ہے جس کی اسے طلب ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ قرآن کا مطالعہ کرتے وقت "حق گو" صاحب کی آنکھوں پر عیب چینی کی عینک نہ لگ گئی، ورنہ وہ دیکھتے کہ مخالفین اسلام کو بہت سے اسلحہ اس کتاب نے بھی فراہم کئے ہیں، اور یہ بات ان کو قرآن سے بھی انکار کر دینے پر اسی طرح آمادہ کر دیتی جس طرح حدیث کے فراہم کردہ اسلحہ دشمنوں کے ہاتھ میں دیکھ کر انہوں نے حدیث سے انکار کر دیا۔

"حق گو" صاحب نے حدیث پر جتنے اعتراضات کئے ہیں، ان سب کا لفظ بہ لفظ جواب دیا جا سکتا ہے، لیکن ہم جزئیات میں الجھنا مناسب نہیں سمجھتے، بلکہ چند اصولی باتوں پر کلام کرنا چاہتے ہیں جو دراصل مدار بحث ہیں۔ اگرچہ ان کی اور عام منکرین حدیث کی عیب جویانہ ذہنیت کو دیکھتے ہوئے اصلاح کی امید کم ہے، لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ ان لوگوں کی گمراہی کا آغاز دراصل نیک نیتی کے نقطہ سے ہوتا ہے، اور محض ناواقفیت اور ضد ان کو غلط راستوں پر ڈال دیتی ہے اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے ذہن کو منکرانہ خیالات سے تھوڑی دیر کے لئے خالی رکھکر ہمارے دلائل پر غور کیا تو ان کے عقیدہ کی اصلاح ہو جائے گی۔

سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس سے پہلے تمام آسمانی کتابوں کو رسولوں کے واسطہ سے کیوں نازل کیا؟ کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ مطبوعہ کتابیں یکایک زمین پر اتار دیتا اور انکا ایک ایک نسخہ نوع بشری کے ہر فرد کے پاس آپ سے آپ پہنچ جاتا؟ اگر وہ اس پر قادر نہ تھا تو عاجز تھا۔ اس کو خدا ہی کیوں مانیے۔ اور اگر وہ قادر تھا اور یقیناً قادر تھا تو اس نے نشر و اشاعت کا یہ ذریعہ کیوں نہ اختیار کیا؟ یہ تو بظاہر ہدایت کا ایک یقینی ذریعہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ایسے صریح معجزے اور بین خرق عادت کو دیکھ کر ہر شخص مان لیتا کہ یہ ہدایت خدا کی طرف سے آئی ہے لیکن خدا نے ایسا نہ کیا اور ہمیشہ رسولوں ہی کے ذریعہ سے کتابیں بھیجتا رہا۔ پھر اس رسالت کے کام پر بھی اس نے فرشتوں یا دوسری غیر انسانی ہستیوں کو مامور نہ کیا، بلکہ ہمیشہ انسانوں ہی کو اس کے لئے منتخب فرمایا ہر زمانہ کے کفار نے بہتیرا کہا کہ اگر خدا کو ہم تک کوئی پیغام پہنچانا منظور ہی ہے تو وہ فرشتے کیوں نہیں بھیجتا تاکہ ہم کو بھی اس پیغام کے منزل من اللہ ہونے کا یقین آجائے۔ مگر خدا نے ہر ایسے سوال پر یہی فرمایا کہ اگر ہم فرشتے بھی بھیجتے تو ان کو آدمی بنا کر بھیجتے وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا۔ (۱:۶) اور یہ کہ اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ہم ان کی ہدایت کے لئے فرشتے بھیجتے۔ لَوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۔ (۱۱:۱۷)

سوال یہ ہے کہ تنزیل کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے تمام بندگان خدا میں سے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں ہے؟ اس کا جواب خود کلام اللہ دیتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا نے جتنے رسول بھیجے ہیں ان کی بعثت کا مقصد یہ رہا ہے کہ وہ فرامین خداوندی کے مطابق حکم دیں، اور لوگ ان کے احکام کی اطاعت کریں، وہ الٰہی قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں اور لوگ انہی کے نمونے کو دیکھ کر اس کا اتباع کریں۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴ : ۹)۔ انبیاء علیہم السلام پے در پے آئے اور ہر ایک نے لوگوں سے یہی

مطالبہ کیا کہ خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ (۲۶: ۶-۷-۸-۹-۱۰)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (۳: ۴) مؤمنوں
سے کہا گیا کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳: ۳) اگر محض کتاب اللہ اتاری
جاتی اور کوئی رسول نہ آتا تو لوگ آیات کے معانی میں اختلاف کرتے اور کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا
نہ ہوتا۔ لوگ احکام کے منشا سمجھنے میں غلطیاں کرتے اور کوئی ان کو صحیح منشا بتانے والا نہ ہوتا۔ اس ضرورت
کو تو خیر ایک حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے مگر پاکیزگی، طہارت اور تقوی کے احکام پر لوگ یہ خیال
کرتے کہ عملی زندگی میں ان پر عمل کرنا انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔ فرشتہ تو انسانی جذبات سے محروم
ہے پیٹ نہیں رکھتا۔ شہوانی قوتیں نہیں رکھتا انسانی ضرورتوں سے بے نیاز ہے، اس کے لئے متقیانہ
زندگی بسر کرنا کچھ مشکل نہیں، مگر ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے اس کی تقلید کیسے کریں؟ اس کے لئے
ضروری تھا کہ ایک انسان، انہی جذبات و داعیات اور انہی تمام قوتوں اور انسانی تقیدات
کے ساتھ زمین پر آتا اور لوگوں کے سامنے احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کر کے بتاتا کہ اس طرح انسان
خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر سکتا ہے۔ اس کو زندگی کے وہ تمام معاملات پیش آتے جو انسان کو پیش آتے ہیں
وہ ان تمام معاملات میں عام انسانوں کے ساتھ شریک ہوتا، عملاً حصہ لیتا، اور قدم قدم پر ان کو اپنے
عمل اور اپنے قول سے ہدایات دیتا، ان کی تربیت کرتا، اور انہیں بتاتا کہ زندگی کی پیچیدہ راہوں
میں سے کس طرح انسان بچ کر حق اور نیکی کے سیدھے راستہ پر چل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ
نے ہمارے لئے تنہا کتاب اللہ کو کافی نہ سمجھا اور رسول اللہ کے اتباع اور ان کے اسوہ حسنہ کی پیروی
کو اس کے ساتھ لازم کر دیا۔

قرآن شریف میں صاف طور پر تین چیزوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حکم خدا۔
دوسرے حکم رسول۔ تیسرے اولی الامر من المومنین کا حکم۔ اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرَّسُوْلَ وَ

أُوْلِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴ : ۸) اگر محض قرآن کا اتباع کافی ہوتا اور اس کے سوا کسی دوسری چیز کے اتباع کی حاجت نہ ہوتی تو رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہی نہ دیا جاتا۔ اگر رسول اور اولی الامر کا حکم، قرآنی احکام پر زاید کوئی شئے نہ ہوتا، تب بھی بقیہ دونوں کی اطاعت کا حکم الگ دینا بے معنی تھا۔ تین چیزوں کی اطاعت کا الگ الگ حکم دینا صاف بتاتا ہے کہ قرآن میں جو احکام براہ راست اللہ تعالیٰ نے دئے ہیں، ان کے علاوہ، وہ احکام بھی واجب الاطاعت ہیں جو رسول اللہ دیں، اور ان کی اطاعت بعینہ ایسی ہے جیسے اللہ کی اطاعت۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (۴ : ۱۱) پھر ان کے ماسوا جو احکام مسلمانوں کے اولوالامر دیں ان کی اطاعت بھی لازم ہے بشرطیکہ ان کے احکام خدا اور رسول کے احکام سے اصولی مطابقت رکھتے ہوں۔ اختلاف کی صورت میں ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی دی ہوئی ہدایات کی طرف رجوع کیا جائے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (۴ : ۸)

اس سے معلوم ہوا کہ تنہا کتاب اللہ کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ رسالت کا رشتہ ناقابل انقطاع ہے، اور احکام رسول کی اطاعت اور اسوۂ رسول کی پیروی بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح خود کتاب اللہ کے احکام کی اطاعت فرض ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ ہم صرف کتاب اللہ کو لیں گے اور حکم رسول و اسوۂ رسول کو نہ لیں گے وہ رسالت سے اپنا تعلق منقطع کرتا ہے، وہ اس واسطہ کو کاٹتا ہے۔ جسے خود اللہ نے اپنے بندوں اور اپنی کتاب کے درمیان ایک لازمی واسطہ کے طور پر قائم فرمایا ہے، وہ گویا یہ کہتا ہے کہ خدا کی کتاب اس کے بندوں کی ہدایت کے لئے کافی تھی مگر خدا نے بلاضرورت یہ فعل عبث کیا کہ کتاب کو رسول کے ذریعہ سے نازل فرمایا، سبحانہ و تعالیٰ عما یقولون

کتاب اللہ اور سنت رسول کا لازمی تعلق ثابت ہو جانے کے بعد اب اس سوال پر غور کیجئے کہ آیا رسول اللہ کے احکام کی اطاعت اور ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی، صرف ان کی حیات جسمانی

تک ضروری تھی؟ ان کے بعد اس کی حاجت باقی نہیں رہی؟ اگر ایسا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف اسی عہد کے لئے تھی جس میں آپ جسم کے ساتھ زندہ تھے۔ آپ کے رحلت فرماتے ہی آپ کی رسالت کا تعلق عملاً دنیا سے منقطع ہو گیا۔ اس صورت میں رسالت کا منصب محض بے معنی ہو جاتا ہے۔ رسول کا کام اگر محض ایک نامہ بر کی طرح کتاب اللہ کو پہنچا دینا تھا، اور اس سے بڑھ کر کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی تو ہم پھر وہی کہینگے کہ اس صورت میں رسول کی ضرورت ہی نہ تھی، یہ کام کوئی فرشتہ کر سکتا تھا، بلکہ اسے بلا واسطہ بھی کرنا ممکن تھا۔ لیکن اگر کتاب پہنچا دینے کے علاوہ بھی کسی شئے کی ضرورت تھی اور اسی کے لئے اطاعت اور اتباع کے احکام دیے گئے تھے، اور اگر ہدایت نوع بشری کے لئے قرآن کے ساتھ رسول کی ہدایات اور سیرت نبوی کے عملی نمونے کی بھی ضرورت تھی تو پھر یہ سب کچھ صرف تیئیس چوبیس سال کے لئے ہونا کیا معنی؟ محض ایک صدی کے چوتھائی حصہ کے لئے ایک رسول مبعوث کرنا اور اتنی سی مدت کے لئے رسالت کا اتنا بڑا منصب قائم کرنا، اور ایک ایسی چیز کو اتنی شدومد کے ساتھ ذریعۂ ہدایت قرار دینا جو رسول کے جسم و جان کا تعلق منقطع ہوتے ہی دنیا کے لئے غیر ضروری ہو جانے والی تھی، بالکل بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ جو خدائے حکیم و دانا کے ہرگز شایان شان نہیں ہے۔

اس الزام کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دفع کر دیا ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲۱: ۷) ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ کا فیضان رسالت صرف اپنے زمانے تک کے لئے ہوتا تو آپ کو رحمۃ للعالمین نہیں کہا جا سکتا تھا؟ اگر کہا جائے کہ آپ قرآن لائے ہیں جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور اسی لئے آپ رحمۃ للعالمین ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ بذات خود رحمت نہ ہوئے بلکہ قرآن کے واسطے سے ہوئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو الگ رحمت فرمایا ہے اور اس کے لانے والے کو الگ۔ پھر یہ جو فرمایا ہے کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ

إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۳۴:۲) یہ ارشاد صاف اشارہ کر رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سے لیکر قیامت تک جن بندگان خدا کے لفظ "الناس" کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان سب کے لئے آپ خدا کے رسول ہیں۔ آپ کی رسالت کسی خاص زمانہ کے لئے نہیں ہے، بلکہ جب تک روئے زمین پر "الناس" بستے ہیں اس وقت تک آپ کی رسالت قائم ہے۔ آیۃ میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ "الناس" سے صرف اسی زمانہ کے لوگ مراد ہیں۔ نہ ایسا کوئی خفیف سے خفیف اشارہ موجود ہے جس سے بعد کے کسی خاص زمانے تک کی قید نکلتی ہو۔ بخلاف اس کے دوسری آیات اس تفسیر کی تائید کرتی ہیں کہ حضور کی رسالت دائمی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور کے ذریعہ سے دین کی تکمیل کر چکا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (۵:۱) حضور کی ذات پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (۳۳:۵) اور دوسرے انبیا کی لائی ہوئی کتابوں کے بخلاف آپ کی لائی ہوئی کتاب کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کیا گیا ہے کیونکہ پہلی کتابیں مخصوص زمانوں کے لئے ہدایت تھیں اور یہ دائمی ہدایت ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (۱۵:۱)۔

باقی